Nov
2023

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

فلسطین کی تباہی عربوں کی تباہی کا پہلا قدم

”فلسطینیوں کی تباہی صرف انہی کی تباہی نہیں بلکہ اللہ محفوظ رکھے یہ عربوں کی تباہی کا پہلا قدم ہے جو اسرائیل نے حالات کا خوب جائزہ لے کر اٹھایا ہے اور جس میں وہ بظاہر اب تک کامیاب ہے۔ اسرائیل جو کہ ملت اسلامیہ کے دسیوں ملکوں سے بھی چھوٹا ہے اور اس کی تاریخ بزدلی کی، ذلت اور بربادی کی رہی ہے، آج ملت اسلامیہ کے بڑے ملک بھی اس کے سامنے دست بستہ ہو رہے ہیں۔ نہ عظیم مشترک مصالح کی فکر اور نہ حمیت و غیرت کا خیال!“ (عالم اسلام اور سامراجی نظام: ۱۱۴)

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیۂ کلاں، رائے بریلی

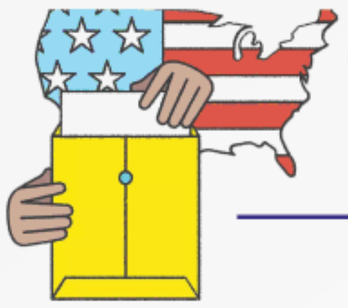

مسئلہ فلسطین-امریکی دستاویزات کی روشنی میں

ادارہ

☆1919ء میں امریکی صدر Woodrow Wilson کو امریکی ماہرین کی جانب سے ایک کمیشن کی پیش کردہ رپورٹ کا خلاصہ:

”کمیشن سفارش کرتا ہے کہ برطانوی مینڈیٹ میں فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن قائم کر دیا جائے اور دنیا بھر کے یہودیوں سے اپیل کی جائے کہ وہ فلسطین میں آ کر بسیں اور انہیں ہر طرح کا تعاون بہم پہنچایا جائے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ غیر یہودی باشندوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔“

☆1944ء میں امریکی صدر Franklin D. Roosevelt کا ایک اہم بیان:

”آج مجھے بڑی سعادت محسوس ہو رہی ہے، اس لیے کہ یہودی پناہ گزینوں کے لیے آج فلسطین کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، مستقبل میں جب اہم فیصلے کر لیے جائیں گے تو ان لوگوں کو انصاف مل جائے گا جو یہودیوں کے قومی وطن کے لیے کوشاں ہیں، ہماری حکومت اور امریکی قوم دونوں اس کو محسوس کرتے ہیں اور آج تو کچھ زیادہ ہی اس کا احساس ہے۔“

☆1957ء کی یہود و نصاریٰ کانفرنس میں امریکی صدر John F Kennedy کا بیان:

”مجھے یقین ہے کہ عرب اور یہود دونوں شہری دوستی پر متفق ہو جائیں گے اور اس راستہ میں داخلی سطح پر دونوں کو جس ملامت اور تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا اس کو برداشت کریں گے اور جنگ کے راستے کو چھوڑ کر تمام کوششوں اور مالی وسائل کو تعمیری رخ پر لگائیں گے۔ اسرائیل ایک تیز روشنی ہے جو شرق اوسط میں پھوٹ رہی ہے۔“

☆1994ء کو امریکی صدر Bill Clinton کا اسرائیلی پارلیمنٹ میں بیان:

”تمہارا زوال ہمارا زوال ہے، امریکا اب بھی تمہارے ساتھ ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔“

☆ ملک عبدالعزیز کے ایک خط کے جواب میں امریکی صدر Harry S.Truman کا جواب:

”امریکہ اپنے رویہ پر اٹل ہے، وہ یہ کہ عوام کو ان کی حکومت دی جائے گی اور فلسطین میں یہودیوں کی بازآبادکاری بھی ضروری ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۵ | نومبر ۲۰۲۳ء - ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ | شمارہ: ۱۱

نصرتِ خداوندی کی بشارت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِی مَنْصُورِیْنَ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّی تَقُوْمَ السَّاعَةُ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(میری امت کے ایک گروہ کو اللہ کی مدد ہمیشہ حاصل رہے گی، اس کی مدد نہ کرنے والے اسے روز قیامت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔)

(سنن الترمذی: ۲۳۵۱)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

المیہ فلسطین اور عرب قائدین سے صاف صاف باتیں.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

قضیہ فلسطین اور اسرائیلی جارحیت.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

ریاست اسرائیل اور عالمی طاقتوں کی پشت پناہی.....۸

.....حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

غزہ اسرائیل جنگ- مجرم کون؟.....۱۰

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

مسئلہ فلسطین اور مسلمانوں کی ذمہ داری.....۱۱

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

مسئلہ فلسطین پر ایک نظر.....۱۴

.....مفتی راشد حسین ندوی

یہودی قوم اور ارض فلسطین پر ان کا حق.....۱۶

.....عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش.....۱۸

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

اسرائیل نامنظور کیوں؟.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

ہوشیار اے ملت بیضائے ما

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

ہر نفس ہوتی ہے کانٹوں کی چبھن
یہ ہے گلشن یا ہے صحراء یا کہ بن؟
کیا کرے شکوہ کوئی صیاد کا
باغ باں ہی جب کرے ویراں چمن
کارواں بھٹکا ہے دشت خار میں
ہر قدم ملتے ہیں اس کو راہزن
لوٹ لی اک اک متاع کارواں
پر نہ آئی ان کے ماتھوں پر شکن
آہ ملت خانہ ویراں ہوئی
اک رہی آباد ان کی انجمن
کوئی کردار وضمیر ان کا نہیں
ان کی دنیا سود وسودا مکر وفن
قوم بربادی پہ اپنی چشم تر
ہیں مگر وہ اپنے عہدوں پر مگن
رہبروں کے بھیس میں ملت فروش
ملت مرحوم کے ہیں گورکن
آدمیت نام کو ان میں نہیں
بس چلے تو بیچ کھائیں وہ کفن
بے ضمیر و بے وفا وبے حیا
ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن
ہوشیار اے ملت بیضائے ما
کروٹیں لے کر اٹھا پھر اہرمن
آدمی کو آدمی کھاتا ہے اب
کتنا بگڑا ہے زمانے کا چلن
''الاماں از جعفران ایں زماں''
''الحذر'' صد بار ازیں دور فتن

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا کے منظرنامہ پر فلسطین کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا ہے، یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ عربوں کی سرزمین پر 1917ء میں خفیہ طور پر یہودیوں نے قدم جمانے شروع کیے تھے۔ 1920ء کے بعد باقاعدہ انگریزوں کی سرپرستی میں وہاں یہودیوں کی بازآبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ 1939ء میں ان کی تعداد 6/لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ 1948ء میں باقاعدہ حکومت ''اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا گیا اور یہودیوں نے کئی عرب ریاستوں پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس طرح فلسطین کی سرزمین پر ایک ایسا ناسور وجود میں آگیا جس نے نہ جانے کتنے گھروں کو ویران کیا اور وہی یہودی جو مظلومیت کا رونا رو رو کر وہاں آباد ہوئے تھے، انہوں نے ظلم کے وہ سارے حدود پار کرلیے جس کا تذکرہ بھی رونگٹے کھڑے کردینے کے لیے کافی ہے۔ بڑی ردّوقدح کے بعد فلسطین کی ایک چھوٹی سی پٹی (غزہ) مسلمانوں کے حوالہ کردی گئی۔ جمہوری طریقہ پر وہاں اسلام پسند جماعت کو اقتدار ملا تو قانون وانصاف کے علم برداروں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی امریکہ کو یہ جمہوریت کھٹکتی رہی جس نے عراق، افغانستان اور نہ جانے دنیا کے کتنے ملکوں میں ''جمہوریت'' کے نام پر کیا کچھ نہ کیا۔ اسرائیلی حکومت خود جس طرح عالمی قانون کو پیروں تلے روندتی رہی ہے اس پر کسی ملک کو احتجاج کی ضرورت نہیں اور کوئی کرے بھی تو کیسے کرے ''سپر پاور'' کی سرپرستی اس کو حاصل ہے۔

فلسطین کے مظلوم مسلمانوں نے اپنا گھر واپس لینے کی کچھ کوشش کی تو دنیا چیخ پڑی اور پھر اسرائیل نے اپنے سارے وسائل کے ساتھ جس طرح قانون کی دھجیاں بکھیری ہیں وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ اس وقت نہ اسپتال محفوظ ہیں نہ اسکول، کتنے اسکول اس لیے بند ہوگئے کہ وہاں سب بچے شہید کردیے گئے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ دنیا میں کہیں یہ واقعہ ہوتا اور دنیا خاموش رہتی لیکن.....

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، مسیحی یورپ کی یہی پرانی تاریخ ہے اور نئی دنیا امریکہ نے اس روش کو مزید ''ترقیات'' کے ساتھ اختیار کیا ہے اور یورپ اس کا پشت پناہ ہے۔ اس طرح امریکہ، اسرائیل اور یورپ کا ایک ایسا مثلث تیار ہوا ہے جو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔ ان کے یہاں اخلاق اور انسانی قدروں کی کوئی قیمت نہیں۔ نہ ان کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسانے میں کوئی عار ہوا، نہ عراق وافغانستان کی سرزمین لہولہان کردینے سے ان کی پیشانی پر کوئی شکن آئی اور نہ اس وقت غزہ کی انسانی آبادی پوری طرح تباہ وبرباد کرنے میں ان کو کوئی شرم ہے۔ پوری دنیا کے عوام سراپا احتجاج ہیں، خود انصاف پسند بعض یہودی اس کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں، بہت سے ملکوں نے سخت احتجاج درج کرایا ہے اور بعض انسانیت نواز ملکوں سے دیکھا نہ گیا تو انہوں نے اپنے طور پر جو بن پڑا وہ کیا لیکن ''صاحب'' کی داداگیری کے آگے کس کی دادوفریاد ہے۔

افسوس ہے ان عرب ملکوں پر جو اپنے معمولی مفادات کی خاطر ظالموں کی غاشیہ برداری میں لگے ہیں اور سب سے بڑھ کر جو ملک اس کے لیے آگے آتا اور اسلامی دنیا کی قیادت کرتا، اس نے سارے حدود پار کردیے، غزہ میں آگ لگائی جارہی ہے، معصوم بچوں اور عورتوں کو بے دریغ مارا جارہا ہے، جسموں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں، لاشیں بے گوروکفن ہیں، ایسے میں وہاں رقص وسرود کی محفلیں سجائی جارہی ہیں اور مرکز اسلام میں اسلامی تعلیمات وشعائر کی توہین کی جارہی ہے۔ فإلیٰ الله المشتکی!

اس وقت ہم مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ کم ازکم دعاؤں سے اور اپنے نیک کاموں سے ہم جو مدد کرسکتے ہیں وہ کریں، دعا کو مومن کا ہتھیار کہا گیا ہے، یہ ایک بڑا ذریعہ ہے۔ پھر اسرائیلی مصنوعات سے مکمل گریز اور بھی وہ سب شکلیں جن سے اسرائیلی مفادات پر ضرب لگتی ہو اختیار کی جائیں۔ کیا بعید ہے کہ ظلم وستم کی یہ آگ ظالم ہی کو جلا کر خاکستر کردے۔ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

المیہ فلسطین اور عرب قائدین سے صاف صاف باتیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اسرائیل کی ریاست عالم عربی کے قلب وجگر اور اس کے بہترین ومقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پر کابوس بن کر مسلط ہوگئی۔اس کے بعد یہودیوں کے بین الاقوامی اثر ورسوخ کی بدولت اس نے اپنے وجود کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ دن بدن طاقت پکڑتی گئی۔اسرائیل کے بعض لیڈروں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ اسلام کے دور اول میں جن یہودی نو آبادیوں پر قبضہ کرلیا گیا تھا، وہ اس پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے آگے بڑھ کر بہت سے یہودی یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بننا ہے، جس کا حکم دنیا کے تمام صدور مملکت، سربراہان حکومت اور وزراء پر چلے گا اور اس طرح وہ خواب پورا ہوجائے گا جس کا ذکر یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود اور حکماء صہیون کے مشہور پروٹوکولز میں ملتا ہے۔

یہودیوں کے بالمقابل عرب باوجود اپنی تمام کمزوریوں اور خامیوں کے انسانیت عامہ کی دعوت وہدایت اور عالمی وبین الاقوامی پیغام کے حامل وداعی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔اس لیے صہیونیت کے بعض مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل ایسی فتح نہیں جس کو ایک پیغام کی دوسرے پیغام پر، ایک فلسفہ کی دوسرے فلسفہ پر، ایک امت کی دوسری امت پر، ایک مذہب کی دوسرے مذہب یا حق کی باطل پر فتح کہا جاسکے۔ یہود کے پاس نہ پہلے دنیا کے لیے کوئی دعوت موجود تھی نہ آج ہے۔

آج عربوں کو چاہیے کہ اپنا سفر نئے سرے سے شروع کریں اور اس اخلاقی جرأت اور عالی ہمتی کے ساتھ جو ہماری تاریخی روایات کے عین مطابق ہے، یہ اعتراف کریں کہ ہم نے اپنی زندگی کی تعمیر نو اور جدید دنیا میں اپنے صحیح مقام ومرتبہ، قوت واتحاد، عزت وسربلندی کے حصول اور فلسطین کو بچانے کے لیے جو راستہ اب تک اختیار کیا، وہ ایسا ٹیڑھا اور لاحاصل راستہ تھا جس سے سوائے ناکامی ورسوائی اور آرزوؤں اور تمناؤں کے خون کے اور کچھ نہیں مل سکتا تھا اور جس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی وہ نصرت اور مدد کبھی نہیں مل سکتی جس پر عزت وسربلندی اور غلبہ وفتح مندی کا دارومدار ہے۔

ہم کو اب ہمت کرکے اس کا اعتراف کرلینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر ہمیشہ کے لیے اسلام کے ساتھ اور نبی امی محمد ﷺ اور ان کے دین کی تائید وحمایت کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔

نہ صرف عربوں کی بقاوترقی، عزت وسربلندی اور فتح وکامرانی کا انحصار محمد رسول اللہؐ کی غلامی اور پیروی میں ہے بلکہ آپؐ کی بعثت کے لمحہ سے قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کی فلاح وبہبود، سعادت ونجات آپؐ ہی کے نقش قدم کے اتباع اور دامن سے وابستگی میں ہے۔

ہم کو یہ بھی اعتراف کرلینا چاہیے کہ ظلم کا انجام بہرحال برا ہے اور جس راستہ کو عالم عربی کی آمرانہ اور اشترا کی حکومتوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے وہ ملک ونسل دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔ وہ نہ اسلام سے میل کھاتا ہے، نہ انسانیت سے، نہ حقیقی آزادی سے اس کا تعلق ہے، نہ جمہوریت ومساوات سے!

اس وقت عرب قوم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک اور اہم مرحلہ سے گذر رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شکست کا مرحلہ ہے یا مصیبت کا مقام ہے اور میں اس مصیبت سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ دعوت اور پیغام کی حامل قومیں، طویل تاریخ رکھنے والی قومیں، زندہ ضمیر اور روشن زندگی سے بھرپور قلب رکھنے والی قومیں ان مراحل سے گذرتی ہی رہتی ہیں۔ ہم خود اس طرح کے بے شمار مراحل سے گذر چکے ہیں۔ ہمارے اوپر صلیبیوں نے یلغار کی، تاتاریوں کا طوفان ہمارے سروں پر سے گذر گیا، جب کہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں مسلمانوں کی آخری سانس بھی نہ رک جائے، پھر بھی وہ مایوسی اور بدشگونی کا مقام نہیں تھا کیونکہ مومن کا ضمیر زندہ تھا، مومن کی عقل

باشعور تھی اور وہ خیر وشر، دوست ودشمن اور مفید ومضر کی تمیز کرسکتا تھا اوراس وقت مسلمان جری، صاف گواور بہادر تھا۔

میں ان جیسے المیوں (المیہ فلسطین) سے خطرہ محسوس نہیں کرتا بلکہ مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، ضمیر کا کام ہے احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسی ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہوجائے، اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے اوراس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ انسانیت کی موت ہے۔ ایک انسان مرتا ہے تو ہزاروں انسان پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن جب ضمیر مردہ ہوجائے، اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہوجائیں، جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرأت ختم ہوجائے، جب تنقید واحتساب کی جگہ شاباشی اور داد وتحسین کے پھول برسنے لگیں، تو یہ ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔

عرب قیادت صرف فلسطین کا مسئلہ حل کرنے ہی میں ناکام نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قوم کی سلامتی کی حفاظت اور ملک کی عزت ووقار اوران کے حدود کی حفاظت میں بھی ناکام رہی ہے۔ انہوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنما داغ لگادیا ہے جسے سات سمندروں کا پانی بھی دھو نہیں سکتا۔ یہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

خدا کے فضل سے ہمارے محبوب عرب ممالک کے پاس قدرت کے تمام وسائل موجود ہیں۔ خوش حال زندگی کے جملہ لوازمات انہیں میسر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حرب ودفاع اور نشر واشاعت کے بہترین ذرائع بھی انہیں حاصل ہیں اور ان کی اتنی فراوانی ہے جو دوسرے ملکوں میں کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ فتح وظفر کے تمام مادی اسباب فراہم تھے، پھر موجودہ صورت حال کس کمی کا نتیجہ کہی جائے اوراس کا بنیادی سبب کسے قرار دیا جائے؟ جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے، وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا، اس شجاعت وبسالت کی کمی تھی جسے صرف ایمان وعقیدہ ہی بخشتے ہیں، اس یقین واعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

اے اہل عرب! اے اہل مکہ اور اے خادمان حرم! آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہوجائے اور ہر صنم وہیکل سے بلند دکھائی دے۔ آپ کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ پھر ان ناقابل ذکر بتوں کا سہارا لیں۔ یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی، جس نے امتیازات کے بتوں کو توڑ کر اور نسلی، وطنی غلامی کے طوق وسلاسل کو کاٹ کر رکھ دیا۔ جس نے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ جس نے حوادث کا منہ موڑ دیا۔ یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی جو دنیا میں پھیل گئی اور جس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑادی۔

اے اہل عرب اور اے مصری اور شامی زعماء! ان مسلمانوں پر رحم کرو جو جاہلیت سے منہ موڑ کر اسلام وقرآن کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ آپ نے انہیں مومن قوم بنایا تھا اور شجر وحجر کی پرستش سے بچایا تھا اور ایشیا وافریقہ کی قومیں آج بھی منتظر ہیں۔ بھوکی پیاسی انسانیت زبان حال سے "أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ" کی صدا لگا رہی ہے کہ محمدؐ کے خوان کرم سے ہمیں بھی کچھ دو۔ اہل عجم سے تو اس معاملہ میں آپ پیچھے نہ رہیں۔ آپ سے تو اس رسولؐ کا قومی، وطنی، لسانی اور تہذیبی بلکہ خون کا رشتہ بھی ہے۔ آپ ہم ہندوستانیوں کو دیکھیں کہ محمدؐ کے نام نامی پر ہمارے جذبات بے اختیار ہوجاتے ہیں، روح جھوم اٹھتی ہے اور آتش شوق تیز تر ہوجاتی ہے۔

اے عربو! اسلامی دنیا تمہارا احترام کرتی ہے، اس کی قدر کرو۔ اسلامی غیرت اور انسانی ہمدردی کے باقی ماندہ اثاثے کو لے کر اٹھو۔ دنیا تمہاری منتظر ہے کہ تم اسے اس صدی کی جہالت سے نکالو، جس نے اسے پامال اور مشرق ومغرب کو مسموم کردیا ہے، قیادت اور ہدایت کے اپنے دیرینہ منصب ومقام کی طرف لوٹو، آفاق کی وسعتوں میں دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دو۔ کامیابی اور کامرانی ہر معرکہ میں تمہارے ہم رکاب ہوگی۔

(انتخاب از: عالم عربی کا المیہ)

قضیہ فلسطین اور اسرائیلی جارحیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ملک فلسطین کا وہ سرسبز خطہ جس پر فلسطین کی اقتصادیات اور عمرانیات کا انحصار ہے، ماضی میں یہودی حکومت کو منتقل ہوتا چلا گیا اور عرب منھ دیکھتے رہے اور مفاہمت کی کوشش کرتے رہے اور یہودیوں نے اپنی سلطنت بیت المقدس کے شہر کے محلوں سے جا ملائی اور آہستہ آہستہ عرب آبادیوں کو دھکے دے کر پیچھے کھسکاتے رہے، انگریز عرب عوام کو اقتصادی بدحالیوں اور پریشانیوں میں گھیرتے رہے، عرب جائیدادیں یہودیوں کے لیے بڑے بڑے دام دے کر خریدتے رہے اور عرب اقتصادی بدحالی سے پریشان ہو ہو کر فلسطین چھوڑتے رہے۔

اس یہودی وطن کا جب اس طرح پر عرب ملک کے سینہ کو چاک کرکے پیوند جوڑا گیا تو فلسطین کے عرب عوام کی لاکھوں کی تعداد ملک چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ لیکن جہاد کی روح ان میں اب بھی اس قدر ہے کہ یہودی حملوں کا جی کھول کر مقابلہ کرتے ہیں اور عرب علاقے کے لیے صرف وہی ایک روک ہیں۔

آج فلسطین میں اسرائیلی حکومت اس کے پڑوس کے سارے ملکوں کے لیے ایک سخت پریشانی، اذیت اور تناؤ کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اسرائیل کا اس علاقہ میں شروع میں کوئی وجود نہیں تھا۔ برطانیہ اور مغربی ملکوں نے اس کو وہاں دخیل بنادیا، پھر مسلسل اس کی مدد کرکے اس کو ایک مضبوط طاقت بنادیا، جس نے اپنے اثرات بڑھائے اور علاقہ کے اصل باشندوں کی بہت بڑی تعداد کو جو لاکھوں میں شمار کی جاتی ہے وطن سے بے وطن کردیا اور جو یہاں رہ گئے اور ملک بدر نہ ہوسکے ان کو غلاموں کی طرح باقی رکھا گیا اور اس سے زیادہ اذیت ناک بات یہ ہوئی کہ ان کے مقدس مقامات کو بگاڑنے اور بدلنے کی کوشش شروع کی گئی جو خطرناک حد تک پہنچ گئی ہے۔ اسی وجہ سے صرف وہیں کے عرب اور مسلمانوں کے لیے پریشانی کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ دنیا میں بسنے والے سارے عرب اور مسلمان اس سے پریشان اور فکرمند ہوگئے، اس سلسلہ میں فلسطین کے باشندوں نے اپنی دینی واسلامی حمیت کے اثر سے مقابلہ کی جو کوشش کی اس کو سخت سفاکانہ طریقہ سے دبانے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کے اثر سے وہاں کے باشندوں میں اپنے ملی اور دینی مقدسات کی حفاظت کے لیے جو حرکت اور جوش پیدا ہوا اس نے غاصب طاقت کو متفکر کردیا ہے۔

مسئلہ صرف یہی نہیں ہے کہ اسرائیلی طاقت عربوں اور مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کررہی ہے اور مسلمان اس کا مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ مغربی طاقتیں برابر اسرائیل کو تعاون اور مدد سے مضبوط بنارہی ہیں۔ یہ سلسلہ یوں تو طویل عرصہ سے جاری ہے لیکن اس وقت اس نے جو شکل اختیار کرلی ہے وہ پورے علاقہ کے امن وامان کے لیے بڑا خطرہ بن گئی ہے، کس قدر زیادتی اور ظلم کی بات ہے کہ مسجد اقصیٰ جو صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی مقدس مسجد ہے بلکہ وہ انھی کی آبادی کے درمیان ہے اور وہ پوری طرح اس سے وابستہ ہے، اس کو توڑ کر یہودی عبادت گاہ بنانے کی کوشش پوری طاقت اور جبر کے ساتھ متمدن کہلائی جانے والی مغربی طاقتوں کی مدد کے ساتھ کی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں فلسطین کے صرف عرب مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے ممالک عربیہ اور ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے لیے بھی بے چینی کا اور ملی غیرت کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس میں دشواری یہ ضرور ہے کہ مسلمان اور عرب ممالک کی حکومتیں مغربی طاقتوں کے دباؤ سے وہ نہیں کررہی ہیں جو ان کو کرنا چاہیے لیکن ان ملکوں کے مسلمان عوام کا دباؤ ان کو بالآخر مجبور کرے گا

کہ اس شرارت اور ظلم کا وہ مداوا کرنے کی صحیح فکر کریں۔

عالم عرب میں اس وقت جو حالات ہیں وہ صرف افسوس ناک ہی نہیں بلکہ ہر باحمیت مسلمان کے غور کرنے اور سمجھنے کے ہیں۔

عربوں نے جب اسلام کا پیغام اپنے سینے سے لگایا تو ان کے عام آدمی نے بھی نازک سے نازک قیادت کا فریضہ باحسن انجام دیا۔

بیت المقدس کو عرب مسلمانوں نے اس طرح فتح کیا کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اپنے غلام کے ساتھ تشریف لے گئے اور عیسائیوں نے نہ صرف یہ کہ بیت المقدس کی کنجیاں ان کے حوالے کردیں بلکہ ان کو اپنے گرجے کے ایک رخ پر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ چنانچہ اسی جگہ آج تک ''مسجد عمر'' کے نام کی مسجد موجود ہے۔ اسی بیت المقدس کو بعد کے مسلمان اپنے پاس نہ رکھ سکے اور عیسائیوں نے قبضہ کرکے مسلمانوں کو اس سے بے دخل کردیا اور اس طرح ۹۰ر سال تک مسلمان اس سے محروم رہے کیونکہ ان میں تفرقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے ذاتی مصالح پر آپسی لڑائیاں تھیں، خودغرضیاں اور نفاق تھا۔ لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو اسلام کے نام پر اللہ اور رسول کے نام پر اکٹھا کیا اور وہ اکٹھا ہوگئے تو عیسائیوں سے بیت المقدس بڑے شاندار طریقہ سے واپس لیا۔

بیت المقدس لینے کے یہ دو واقعے بڑے سبق آموز ہیں۔ ایک میں بہت پرامن طریقہ سے کام لیا کیونکہ حضرت عمرؓ جیسا خداترس اور معیاری قائد تھا۔ دوسرے میں حمیت دینی وجذبہ قربانی کے ساتھ لیا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا مخلص اور جانباز قائد تھا۔

آج بیت المقدس لینا تو بڑی بات ہے، وہ چھوٹی موٹی طاقت جو اس کے لیے کچھ کرتی وہی مٹی جارہی ہے، جب کہ ملت اسلامیہ سابق زمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تعداد میں ہے اور کئی گنا زبردست اسباب ووسائل رکھتی ہے۔ لیکن.....

جنگیں نہ تو محض تعداد سے جیتی جاتی ہیں اور نہ محض اسباب ووسائل کی بنیاد پر جیتی جاتی ہیں، اس کے برعکس اسلام ہم کو یہ بتاتا ہے کہ تھوڑی تعداد ایمان کے ساتھ بڑی تعداد پر بھاری ہے۔ اسلام نے ایمان واخلاص کی شرط رکھی ہے اور یہی ایمان واخلاص آج ہماری سیاست میں، ہماری قیادت میں اور ہماری تدابیر وحکمت میں سب سے کم ہے۔

یاد رہے! فلسطینیوں کی تباہی صرف انہی کی تباہی نہیں بلکہ اللہ محفوظ رکھے، یہ عربوں کی تباہی کا پہلا قدم ہے جو اسرائیل نے حالات کا خوب جائزہ لے کر اٹھایا ہے اور جس میں وہ بظاہر اب تک کامیاب ہے۔ اسرائیل جو کہ ملت اسلامیہ کے دسیوں ملکوں سے بھی چھوٹا ہے اور اس کی تاریخ بزدلی کی، ذلت اور بربادی کی رہی ہے، آج ملت اسلامیہ کے بڑے ملک بھی اس کے سامنے دست بستہ ہورہے ہیں۔ نہ عظیم مشترک مصالح کی فکر اور نہ حمیت وغیرت کا خیال۔ لیکن بات وہی ہے جو قرآن مجید کی اس آیت میں ہے کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

(بلاشبہ کسی بھی قوم کے ساتھ جو بھی ہے اللہ اس کو اس وقت تک ہرگز نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرلیں)

امریکہ نواز ملکوں کو کیا کہا جائے، انہوں نے جب اپنے دامن کو امریکہ سے وابستہ کیا ہے تو وہ امریکہ اور اس کے متبنّٰی اسرائیل کو آنکھیں کب دکھا سکتے ہیں؟!

عالم اسلام جس کے ممالک کو ہم آزاد سمجھتے رہے ہیں دراصل آزاد نہیں ہیں۔ ہر ملک کسی نہ کسی بڑی طاقت سے وابستہ ہے، لیکن زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ وفاداری کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے جو غیرت وحمیت کے خلاف بلکہ ملکی وذاتی مصالح کے بھی خلاف ثابت ہوتی رہتی ہے۔ فلسطینیوں کو ختم کرنے کے بعد قریب کے ملکوں کی سلامتی کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے، یکے بعد دیگرے زد میں آسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حالات کو بہتر بنائے اور باطل طاقتوں کو حق کے مقابلہ میں ناکام اور نامراد بنائے۔ آمین!

(انتخاب از: عالم اسلام اور سامراجی نظام)

ریاست اسرائیل اور عالمی طاقتوں کی پشت پناہی

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

مسجد اقصیٰ کا مسئلہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں، یہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، فلسطین کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ عربوں کا مسئلہ ہے اور اس میں عربوں کی کوتاہی کو بہت دخل ہے، کیونکہ اسرائیل کا قیام یوں ہی عمل میں نہیں آ گیا، یہودی مکر وفریب ایک حقیقت ہے، لیکن اس مکر وفریب، عیاری ومکاری سے یہودی کوئی بڑا فائدہ نہیں اٹھا سکے، نہ وہ کبھی غالب قوم رہے، ہمیشہ مارے مارے پھرے، دنیا میں کہیں انہیں عزت اور سربلندی حاصل نہیں ہوئی، اگر مکر سے کسی کو فائدہ پہنچتا تو مکار آدمی ہمیشہ کامیاب ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے، قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَقَدۡ مَكَرُواْ مَكۡرَهُمۡ وَعِندَ ٱللَّهِ مَكۡرُهُمۡ وَإِن كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُولَ مِنۡهُ ٱلۡجِبَالُ﴾ (اور انہوں نے اپنی چالیں چلیں اور ان کی سب چالیں اللہ کے یہاں ہیں اور وہ چالیں ایسی (غضب کی) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاتے) تو مکر سے کچھ نہیں ہوتا۔

اسرائیل کے قیام کے بہت سے اسباب ہیں؛ ایک تو یہ ہے کہ اس کو کچھ طاقتور ملکوں نے گود میں لے کر اور عربوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ان کے کاندھے پر بٹھا دیا اور اس کے بعد سے اب تک اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس طرح ہوا اسرائیل کا قیام۔ یہ تصور بہت غلط ہے کہ اسرائیل کو برتری حاصل ہے، مثالوں کے ذریعہ آپ کے سامنے یہ بات رکھی جا سکتی ہے، اب تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں، ان کا آپ جائزہ لیجیے، اسرائیل کو کامیابی وہیں ہوئی جہاں اس کے مقابل نے کمزوری دکھائی۔

جب فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں تھا، اسی وقت اس نے طے کر لیا تھا کہ اسرائیل کا قیام یہاں ہوگا تاکہ عربوں پر کنٹرول رہے۔ یہ برطانیہ کی پالیسی رہی ہے کہ جہاں سے اس کو جانا پڑا، وہاں وہ کوئی فتنہ گر چھوڑ کر گیا، تاکہ اس کو بار بار آ کر حل کرنے کا موقع ملے۔ جیسے ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا مکان بیچا اور مکان خریدنے والے سے کہا کہ مکان تو پورا آپ کا ہے، لیکن اس میں فلاں کمرے میں ایک کھونٹی ہے وہ ہماری رہے گی اور ہمیں اس کے استعمال کی پوری آزادی ہوگی۔ خریدنے والے نے سوچا کہ ایک کھونٹی کا معاملہ ہے کوئی حرج نہیں اور اجازت دے دی۔ اب وہ ہر دوسرے تیسرے دن آتا اور کہتا تھا کہ ہم اس کھونٹی کو دیکھنا چاہتے ہیں، ہم اس میں اپنا کوٹ ٹانگیں گے، آخر کار پریشان ہو کر خریدنے والا اس بات پر مجبور ہو گیا کہ وہ مکان واپس کر دے۔

اسی طرح برطانیہ نے یہ کیا کہ جس ملک میں وہ رہا اپنی کھونٹی چھوڑ کر گیا اور اس کھونٹی کے ذریعہ اس کو موقع ملتا رہا دخل دینے کا اور ان قوموں میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس مکان کو پوری طرح سے آزاد کرا سکیں یا کھونٹی نکال کر اس کے سر پر ٹھونک دیں اور اس کے بعد کہیں کہ خود بھی جاؤ اور اپنی کھونٹی لے جاؤ۔ جب یہ جرأت پیدا ہو جائے گی ان مسلمان ملکوں میں یا ان عرب ملکوں میں جو اسرائیل کو جھیل رہے ہیں تو اس وقت اسرائیل کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

1948ء کی جنگ کے بارے میں ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ اسرائیل کی کوئی فوجی طاقت نہیں تھی اور چار پانچ عرب ملک اس کے مقابلہ پر تھے، لیکن یہ مقابلہ ظاہری تھا۔ عرب فوجوں کو حکم تھا نہ لڑنے کا اور بعد میں جب کچھ اور مجاہدین جو آگے بڑھ گئے اور اسرائیل کے لیے خطرہ بن گئے تھے، تو ان فوجیوں کو حکم دیا گیا فوری واپسی کا اور حکم عدولی کی صورت میں ان کے افسروں کو حکم تھا کہ ان کو شوٹ کر دیا جائے۔

1967ء کی جنگ کا حال بھی سن لیجیے، دھوکہ ہی دھوکہ،

حکمرانوں نے دھوکہ دیا، فوجوں نے دھوکہ دیا، جنرلوں نے دھوکہ دیا، کیونکہ جو جنرل تھے وہ یا تو برطانیہ کے تھے یا فرانس کے تھے یا یورپ کے مشیر تھے۔ ان کو لڑنے سے مجبور کر دیا گیا۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ عرب تعداد میں زیادہ تھے لیکن وہ شکست کھا گئے کیونکہ

"Because they were not united"

یعنی وہ سب خائن تھے اور اسی بنیاد پر سارے انقلاب ہوئے۔

قضیہ فلسطین کے تاریخی جائزہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیل کے قیام اور اس کے استحکام میں مغربی سامراج، عربوں کا افتراق، عرب حکام کی بے توجہی اور بروقت فلسطین کی حفاظت کی کارروائی نہ کرنا اور فلسطینی مزاحمتی تحریکوں کو مدد اور وسائل بہم نہ پہنچانے کا کلیدی رول رہا ہے۔ عالم اسلام کے وہ ممالک جو اسرائیل کے خلاف کوئی مؤثر رول ادا کر سکتے ہیں، وہ ایسے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنی سلامتی اور بقا کی فکر دامن گیر ہے۔ ترکی کے تعلقات عربوں کی بغاوت اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد عربوں کے ساتھ عدم تعاون کے رہے، اس کے مقابلہ میں اس کے اسرائیل سے قریبی تعلقات تھے۔ موجودہ حکومت نے جو اسلام پسند ہے، اس نے کچھ عربوں سے ہمدردی کا رویہ اختیار کیا مگر وہ نیٹو کے ممبر ہونے اور یورپین کمیونٹی میں داخل ہونے کی کوشش کی وجہ سے اہم رول ادا نہیں کر سکتا۔ پاکستان، ایران، سوڈان حالت جنگ میں ہیں اور بعض ملکوں کی اسرائیل سے خفیہ مفاہمت ہے۔

اس کے بالمقابل پوری دنیا کھل کر اسرائیل کی تائید کرتی رہی ہے، اس کا مظاہرہ 1918ء میں ہوا اور اس کے بعد 2009ء میں غزہ پر اسرائیلی ناکہ بندی اور ہوائی حملوں کے دوران کھلے طور پر ہوا، بلکہ اس سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حماس کی مدد کے بجائے بعض ملکوں نے ان کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا اور اسرائیل کے ساتھ خفیہ طور پر تعاون کیا، یہ قضیہ پوری طرح عربی قضیہ ہی نہ بن سکا، چہ جائیکہ عالم اسلام کا قضیہ بنتا۔

پوری دنیا کی اسرائیل کی حمایت اور مدد کا اندازہ درج ذیل "بالفور" کی دستاویز سے لگایا جا سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

"صہیونیوں کے تعلق سے چار ممالک نے اپنے وعدے پورے کیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صہیونی خواہ وہ حق پر ہوں یا باطل پر اور خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، ہماری تہذیب اور ہماری موجودہ ضرورت اور ہماری مستقبل کی آرزوؤں کی تکمیل میں ان کا اہم رول ہے، وہ عرب ممالک میں آباد 700/ ہزار عربوں کی خواہشات سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔"

ملک عبدالعزیز کے ایک خط کے جواب میں جس میں انہوں نے مسئلہ فلسطین کے تعلق سے امریکی موقف پر اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا، امریکی صدر ٹرومان نے کہا:

"امریکہ اپنے موقف پر اٹل ہے، وہ یہ کہ عوام کو ان کی حکومت دی جائے گی اور فلسطین میں یہودیوں کی بازآبادکاری بھی ضروری ہے۔"

27/ اکتوبر 1994ء میں امریکی صدر کلنٹن نے اپنے اسرائیلی دورہ میں اسرائیل پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا تھا کہ

"تمہارا زوال ہمارا زوال ہے، امریکہ اب بھی تمہارے ساتھ ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔"

دوسری طرف عرب ملکوں میں جن باحمیت اور غیرت مند مسلمانوں نے بھی قضیہ فلسطین کی مدد کی کوشش کی ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، جیلوں میں ڈال دیا گیا، اسلام پسند عنصر کو بالکل کچل دیا گیا۔ خصوصاً شام، اردن اور مصر میں اخوانیوں کو جو فلسطینیوں کی مدد اور حمایت کر رہے تھے، جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔

ایسی صورت حال میں کسی نصرت غیبی کا انتظام ہو جائے تو مسئلہ فلسطین حل ہو سکتا ہے۔ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ!

اس وقت ضرورت مسئلہ فلسطین سے واقف کرانے اور مسلمانوں میں شعور پیدا کرنے کی ہے۔ اس لیے کہ واقفیت کے بعد ہی شعور پیدا ہوتا ہے اور شعور کے بعد قوتِ عمل اور قوتِ ارادی پیدا ہوتی ہے۔

(انتخاب از: مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام)

غزہ اسرائیل جنگ- مجرم کون؟

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

1948ء میں ریاست اسرائیل کے قیام کے وقت سے مغرب اس کی پرورش کر رہا ہے، جب کہ اس میں شبہ نہیں کہ اسرائیل کا قیام سو فیصد ظلم و جبر، ہلاکت و بربادی اور جلاوطنی پر مبنی ہے۔اس کے لیے جائز ہے کہ وہ چاہے کتنے ہی سنگین جرائم کر لے، کتنا ہی ناحق خون بہائے اور کتنے ہی بے گناہوں کی جان لے لے، یا کتنے ہی فلسطینیوں کو بے گھر کر دے اور خواہ کتنی ہی باعزت خواتین کو اپنی ہوس کا نشانہ بنالے۔افسوس ہے کہ انسانیت کا یہ ننگا ناچ مغرب کی زیرنگرانی ہو رہا ہے بلکہ وہ اس کی ہمت افزائی کر رہا ہے اور وہ اسے کمک بھی فراہم کر رہا ہے اور آخری حد تو یہ ہے کہ انسانیت کے اس قتل عام پر وہ اسرائیل کو مبارک باد دے رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر یہی کام کسی اور حکومت نے کیا ہوتا تو یہی مغربی ممالک اس کے اوپر عرصہ حیات تنگ کر دیتے اور اس کو ایسی سزا دیتے کہ دوبارہ ویسی حرکت کرنے کی کوئی تاب بھی نہ لاتا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہمارا مقابلہ محض ناجائز اسرائیل سے ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہمارا اصل مقابلہ اس مغرب سے ہے جس نے اس ناجائز ریاست کو جنم دیا تاکہ اسے اپنے سیاسی، اقتصادی اور عسکری فوائد بھرپور حاصل ہوتے رہیں، یہی وجہ ہے کہ پہلے دن سے وہ اسرائیل کو اس کی حمایت واعانت والی ہر چیز فراہم کرتا رہا ہے۔

ریاست اسرائیل وہ ناجائز پودا ہے جو مغرب نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر اس نیت سے لگایا تھا کہ اس کے ذریعہ عالم عربی پر اپنا فرعونی اقتدار جما سکے اور اس کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے سکے پھر اس کو جیسے چاہے گھماتا رہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسرائیل مغرب کے اغراض ومقاصد سے بالاتر ایک آزاد ریاست کا نام ہرگز نہیں ہے؟ بلکہ اسرائیل سو فیصد اس کے حکم کا بندہ اور اس کے اشاروں کا غلام ہے، وہ جہاں کھڑا کر دے اس کو وہیں کھڑا ہونا ہوگا، وہ جب چلنے کا حکم کر دے تب اسے چل کر دکھانا ہوگا، وہ جب اسے حملے کا اشارہ کرے تبھی وہ حملہ آور ہوگا، حتی کہ وہ زیادتی پر بھی اسی وقت آمادہ ہوگا جب اسے یورپ کی شہ حاصل ہو۔

جہاں تک مغرب کے غیر جانبدار اور عالم عربی اور اسرائیل کے درمیان ایک انصاف پسند mediator بننے کی بات ہے اور اس کو اسرائیل کا ہم نوا نہ سمجھنے کا تعلق ہے تو یہ سب باتیں سراسر جھوٹ اور دھوکہ ہیں، بلکہ یہ اس کی سیاہ تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ہمیں مغرب کا اصل چہرہ پہچاننا چاہیے اور عالم عربی سے متعلق اس کے ناپاک عزائم سے باخبر ہونا چاہیے۔

غزہ میں آج تباہی و بربادی اور قتل وغارت گری کی جو شرم ناک خونی داستان رقم ہو رہی ہے اور وہاں بموں اور میزائیلوں کی جو بارش کی جارہی ہے' انسانیت کے اس غیر معمولی قتل عام پر مغرب کی چپی سادھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اسرائیل کے شانہ بشانہ کھڑا ہے اور وہ اس میں برابر کا مجرم ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کا یہ باہمی تعلق نہ ہوتا تو اسرائیل کا دم نہیں تھا کہ وہ تنہا کسی فلسطینی کو ذرا بھی گزند پہنچا سکتا اور کسی کو گزند پہنچانا تو دور کی بات بلکہ اس کی یہ ہمت بھی نہ تھی کہ وہ خود اپنا بچاؤ اور دفاع کرتا، مگر بات یہ ہے کہ مغرب کی بھرپور تائید اور اسرائیل کے ساتھ ہر موقع پر کھڑا رہنے نے اسرائیل کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر چلنے کے لائق ہو گیا ہے۔

مسئلہ فلسطین اور مسلمانوں کی ذمہ داری

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عالمی منظرنامے پر مسلمانوں کے زوال کے بعد سے مسلمان مختلف مسائل سے ہمیشہ دوچار رہے ہیں۔ یہ مسائل مختلف ملکوں میں مسلمانوں کو پیش آئے ہیں اور مختلف زمانوں میں مسلمانوں کو ان سے سابقہ پڑا ہے لیکن مسئلہ فلسطین ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے اثرات عالمی بھی رہے ہیں اور ہمہ گیر بھی اور پوری اسلامی دنیا اس کی کسک محسوس کرتی رہی ہے اور شاید ہی کوئی بدقسمت مسلمان ایسا ہوگا جس کے دل میں اس کی چبھن نہ ہو۔

مسجد اقصیٰ مختلف پیغمبروں کی یادگار رہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ اول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ معراج کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی پہلی منزل وہی تھی، وہیں آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی تھی۔ اس سرزمین کے بارے میں قرآن کریم نے سراپا برکت ہونے کی گواہی دی ہے۔ مسلمانوں کی اس سے جذباتی وابستگی ایک فطری چیز ہے۔

اسلامی تاریخ کا وہ دن بڑا نامبارک تھا جس دن ترک ناداں نے خلافت کی قبا چاک کی تھی۔ اس کے بعد مسلمان تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئے، رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی، اسی دن سے قبلہ اول پر صہیونی پنجے گڑنے شروع ہوگئے تھے۔

ایک دن وہ بھی تھا کہ جب چند یہودی سلطان عبدالحمید کے پاس سفارش لے کر حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے فلسطین میں رہائش کے لیے تھوڑی زمین کا مطالبہ کیا تھا تو سلطان نے زمین سے ایک چٹکی مٹی لے کر کہا تھا کہ میں تو وہاں اس کے بقدر دینے کو بھی تیار نہیں لیکن جب

ع خلافت پر زوال آیا تو پھر نام ونشاں کب تک

یورپ نے ایک بنی بنائی سازش کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا کام شروع کیا۔ یہودیوں کی غیر انسانی حرکتوں نے پورے یورپ کو مصیبت میں ڈال رکھا تھا، ہٹلر نے عاجز آکر وہ انتہائی قدم اٹھایا تھا جس کی بنا پر وہ ضرب المثل ہوگیا۔ ان کی ظالمانہ اور شاطرانہ چالوں کو جاننے کے لیے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہر ملک میں انہوں نے انسانیت سوزی کے لیے ایسی ایسی چالیں چلی تھیں کہ عام انسانوں کے لیے وہ ناسور بن کر رہ گئے تھے اور یہ سب کچھ اتفاقی نہ تھا، ان کے Protocol میں یہ سارے حقائق اصولی طور پر موجود ہیں، وہ خود کو خدا کی اولاد اور خدا کا محبوب سمجھتے رہے ہیں اور باقی ساری دنیا ان کے نزدیک ان کی غلام ہے۔ ان کی سازش یہ تھی کہ غیر یہودیوں کو ہر لحاظ سے ایسا پست کر دیا جائے کہ دنیا ان کی غلامی پر مجبور ہوجائے۔ یہ ایک پورا پلان (Plan) تھا جس کو پورا کرنے کے لیے وہ ساری صلاحیتیں صرف کر رہے تھے اور آج بھی وہ اس میں مصروف عمل ہیں۔

یورپ کو ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی تدبیر نہ سوجھی تو اس نے یہ باور کرایا کہ فلسطین یہودیوں کی میراث ہے، ان کو وہاں حصہ ملنا چاہیے، اس طرح آہستہ آہستہ یہودیوں کو وہاں آباد کیا جانے لگا، اس کے یورپ کو دو فائدے ہوئے؛ ایک تو ان کی شاطرانہ چالوں سے امن ہوا، دوسرے یہ کہ مصیبت مسلمانوں کے سر تھوپ دی گئی۔

1920ء میں باقاعدہ انگریزی ہائی کمشنر کے ذریعہ ان کی ملکی حکومت کا اعلان ہوا، اس کے بعد سے انگریزوں کی سرپرستی میں یہودیوں نے اپنے قدم مضبوط کرنے شروع کیے اور وہ دنیا کے مختلف ملکوں سے وہاں آکر آباد ہونے لگے۔ جب ان کی تعداد بڑھی اور انہوں نے اپنے شاطرانہ مزاج کے مطابق بال و پر نکالنے شروع کیے تو مسلمانوں سے ان کی کشمکش شروع ہوئی پھر 1928ء سے

خوں ریز فسادات کا سلسلہ چل پڑا۔

1948ء میں باقاعدہ ''حکومتِ اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا گیا اور یہودیوں نے کئی عرب علاقوں پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی۔

9/جون 1967ء کا دن مسلمانوں کے لیے روز بد بن کر آیا، اس دن تمام مسلمانوں کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور یہودی فوجیں بیت المقدس میں داخل ہوگئیں، آٹھ سو سال کے بعد یہ پہلا نا مبارک دن تھا کہ مسلمان مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز ادا نہ کرسکے، وہ دن ہے اور آج کا دن' کشمکش جاری ہے اور اسرائیل کو بڑی طاقتوں کی طرف سے بھرپور پشت پناہی حاصل ہے۔

یہودیوں نے پہلے دن سے طے کرلیا تھا کہ اگر ہمیں دنیا پر حکومت کرنی ہے تو دو چیزوں پر پوری طرح قبضہ کرنا ہوگا؛ ایک اقتصادی نظام پر اور دوسرے ذرائع ابلاغ (Media) پر۔ اپنے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے انہوں نے ہر طرح کی شاطرانہ چالیں چلیں اور آہستہ آہستہ وہ دنیا کے اقتصادی نظام پر حاوی ہوتے چلے گئے۔ آج امریکہ کے بڑے بڑے بینک ان کے قبضہ میں ہیں اور دنیا کے اہم اخبارات انہوں نے خرید رکھے ہیں۔ کوئی خبر عالمی سطح پر ان کی مرضی کے بغیر چھپ نہیں سکتی۔ امریکہ جس کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت کہا جاتا ہے، اس کے کلیدی عہدوں پر یہودی یا خالص یہودی ذہنیت رکھنے والے عیسائی قابض ہیں۔ آج امریکہ کا بڑا طبقہ ان سے پریشان ہے لیکن بے بس ہے اور امریکہ کے مقنن اول کی بات حرف بحرف پوری ہو رہی ہے کہ اگر تم نے یہودیوں کو یہاں بسنے کا موقع دیا تو ایک دن وہ آئے گا کہ وہ آقا ہوں گے اور تم ان کی غلامی کر رہے ہوگے۔

اسرائیل کی کسی ہزیمت کو امریکہ برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے، اس کے لیے سارے سرکاری پروٹوکول اور عالمی معاہدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ عالمی قوانین کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں اور وہ سب کچھ روا رکھا جاتا جس کا دوسرے کے لیے تصور بھی ممکن نہیں۔

یہودیوں کے منصوبے میں ایک وسیع ''مملکت اسرائیل'' کا قیام بھی ہے جس میں دنیا کے اہم اسلامی ممالک خاص طور پر شامل ہیں۔ حجاز مقدس کا بڑا حصہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ یہودی اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح سازشیں کرتے رہتے ہیں، ان کے لیے نہ کوئی اصول ہے اور نہ انسانیت کی ان کے یہاں کوئی حقیقت ہے۔ ہر زمانے میں نبیوں کو قتل کرنے والے وہ ہیں، حضرت عیسیٰؑ کو اپنے خیال کے مطابق سولی پر چڑھانے والے وہ ہیں، عیسائیوں کے ساتھ ان کی طویل طویل خوں ریز لڑائیوں کی داستانیں تاریخ میں موجود ہیں۔ وہ کسی کے ہوئے اور نہ ہوں گے، اپنے فائدہ کے لیے ہزاروں کی جان لے لینا بلکہ ملکوں کو تباہ کردینا ان کے لیے معمولی بات ہے۔

ایسی صورت حال میں اگرچہ وہ اس وقت مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں لیکن ہر ایک کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، قبل اس کے کہ اسرائیل اس کی مجبوری بن جائے پھر کچھ بنائے نہ بنے۔

اسرائیل امریکہ کی مجبوری ہے اور امریکہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقت ہے، اس لیے بہت سے ملک اسرائیل کی ہمنوائی پر مجبور ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی کے گھر پر زبردستی قبضہ کرلے اور جب گھر کا مالک اپنی جگہ کا مطالبہ کرے تو اس سے وہ معاملہ کیا جائے جیسے وہ کسی دوسرے کے گھر کا مطالبہ کر رہا ہو۔

اسرائیل فلسطین کا حصہ تھا، اس پر زبردستی قبضہ کیا گیا پھر اگر ایک فلسطینی اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہت بڑا جرم ہے، اگر وہ بے چارہ چند ڈھیلے پھینک دے تو وہ ظالم ہے اور اگر ان کی آبادیوں کی آبادیاں تباہ کردی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک عرب صحافی فلسطین کے اپنے ایک تازہ دورہ کی رپورٹ میں لکھتا ہے: ''غزہ پٹی کے دورہ میں میں نے دنیا کی سب سے بڑی جیل کا مشاہدہ کیا، پورے غزہ کو فولادی دیواروں اور ایسے تاروں سے گھیر دیا گیا ہے جن میں کرنٹ دوڑ رہا ہے، لاکھوں انسان اس میں قید کی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن ان کو قیدیوں کے حقوق بھی

حاصل نہیں، ایک قیدی کو بھی کھانے پینے اور دوا علاج کی سہولت حاصل ہوتی ہے لیکن غزہ کے قیدیوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، ہر طرف سے ان کو گھیر دیا گیا ہے، اسرائیل کے جاسوسی طیارے مستقل نگرانی کرتے ہیں رہتے ہیں۔''

ابھی جو تازہ صورت حال ہے وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے، دس ہزار کے قریب شہید ہو چکے جن میں پانچ ہزار معصوم بچے ہیں، لاشیں بکھری پڑی ہیں، اسپتالوں اور اسکولوں کو تباہ کر دیا گیا ہے، پینے کے پانی کو لوگ ترس رہے ہیں، مسجدیں، مدرسے، اسپتال اور یونیورسٹیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو ہو چکی ہیں، صہیونی نظام کی داستانیں چپہ چپہ پر دکھائی دیتی ہیں۔

لیکن انسانیت دم توڑ رہی ہے، آنکھوں کا پانی مر چکا ہے، انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں آہنی شکنجوں میں ہیں، آزادی کا نعرہ لگانے والے انسانوں کو غلامی کے غار میں ڈھکیلنے کے لیے کمر بستہ ہیں، کسی کے منہ میں زبان نہیں جو کھولے اور اگر کھولے بھی تو سننے والا کون ہے اور پہنچانے والا کون ہے، میڈیا کس کے ہاتھ میں ہے

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

مگر یہ ہوا کیسے؟! جن لوگوں کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا تھا، آج وہ کیوں دوسروں کے سامنے کاسہ گدائی لیے کھڑے ہیں؟ جو دنیا کی کل آبادی کا چوتھائی کہے جاتے ہیں، آج وہ دنیا کے منظر نامے پر صفر کیوں ہیں؟ جنہوں نے دنیا کو جہالت و درندگی سے نکال کر علم و ہنر سے بھر دیا تھا، جنہوں نے انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھایا تھا اور انسان کی طرح جینا سکھایا تھا، آج دنیا میں وہ خوار کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کا جواب اسلامی تاریخ کے سنہرے صفحات میں موجود ہے، جب تک مسلمانوں نے اپنا سبق یاد رکھا، اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا، آسمانی نظام زندگی، نظام اخلاق کا اپنے قول و عمل سے نمونہ پیش کرتے رہے، دنیا ان کے قدم چومتی رہی، پھر جب انہوں نے دنیا کا سبق بھلا دیا، وہ دنیا کے قدموں میں گر گئے، اپنی حقیقت فراموش کر دی، وہ قوموں میں بٹ گئے، انہوں نے طرح طرح کے بت بنا لیے، زندگی کا مقصد کچھ کا کچھ ہو گیا تو حالات بھی بدل گئے۔

پوری اسلامی تاریخ میں جب جب مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی، اس کے پیچھے اسباب کارفرما رہے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کے اندر ایسی جاذبیت اور ایسی کشش ہے کہ وہ دنیا کی ایک ضرورت ہے اور جہاں دنیا کو اس کا احساس پیدا ہو رہا ہے وہاں حالات بدل رہے ہیں اور جب جب مسلمانوں نے اپنی ذمہ داریاں فراموش کی ہیں حالات نے ان کو سبق سکھایا ہے۔

دنیا کے لیے اگر کشش ہے تو اسلام میں ہے مسلمانوں میں نہیں اور آج جہاں کشمکش ہے وہ مسلمانوں سے ہے، جس سوجھ بوجھ اور انصاف رکھنے والے کے سامنے اسلام کی تعلیمات آتی ہیں، اس کی اسلام سے کوئی دشمنی نہیں رہ جاتی۔

مسلمانوں کے غلط طرز زندگی کی وجہ سے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک بڑی تعداد حقیقت تک پہنچتی ہی نہیں اور قدیم مفروضہ پر ساری کارروائیاں کرتی رہتی ہیں، اس کے نتیجہ میں دنیا کو بھی بڑے نقصانات بھگتنے پڑ رہے ہیں۔

ذمہ داری مسلمانوں کی بھی ہے اور عالمی طاقتوں کی بھی، مسلمانوں کو صحیح نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور دنیا کے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ کشمکش جو مختلف ملکوں میں خوں ریزیوں کی شکل میں جاری ہے اس کو بند نہیں کیا جا سکتا اور اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہی نہیں ہوگا پوری دنیا کو اس کے نقصانات بھگتنے پڑیں گے۔

فلسطین کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے دھڑکتے ہوئے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں یک طرفہ کارروائیاں پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کے مترادف ہیں۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اچھا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر ملک میں اور خاص طور پر جہاں وہ غیروں سے برسر پیکار ہیں۔

مسئلہ فلسطین پر ایک نظر

مفتی راشد حسین ندوی

مثل مشہور ہے کہ جنگل راج میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لیکن تہذیب یافتہ اقوام میں قانون کا راج ہوتا ہے اور صرف طاقتور یا امیر یا بااثر ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کمزور ترین فرد کو دبا نہیں سکتا، لیکن گہری نظر ڈالنے سے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ آج بھی جنگل راج کا وہی پرانا اصول پوری دنیا میں چل رہا ہے اور تمام فیصلے طاقت کے بل پر نافذ کیے جا رہے ہیں، فرق ہے تو اتنا کہ پہلے ظالم کو ظالم کہا جاتا تھا، لیکن اب ظالم نے پروپیگنڈہ کا ہنر سیکھ لیا ہے، اسے اب ظالم کے بجائے ببانگ دہل نجات دہندہ قرار دیا جاتا ہے اور ایک بڑی تعداد اس کو مسیحا مان بھی لیتی ہے۔ امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر کئی لاکھ انسانوں کو بچوں، بوڑھوں اور خواتین سمیت پلک جھپکتے موت کی نیند سلا دیا، لیکن انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے آرٹیکل لکھنے والے عظیم دانشور نے اس کو ایک ایسا کارنامہ قرار دیا جس نے انسانیت کو تباہی سے بچا لیا ہے۔ افغانستان اور عراق نیز ویت نام میں اسی امریکہ نے کئی کئی لاکھ انسانوں کو بچوں، عورتوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نامعلوم کتنوں کو زندگی بھر کے لیے اپاہج بنا دیا۔ حملہ کی وجوہات بھی ایسی بتائی گئیں جن کا بعد میں جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا، خود امریکہ نے ان کے جھوٹا ہونے کا اعتراف کیا، لیکن امریکہ سپر پاور ہے، امیر ہے، سب ممالک کاسہ گدائی لیے اس کے دربار میں حاضری لگاتے ہیں، میڈیا کا پورا سپورٹ اس کو حاصل ہے، لہٰذا آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کوئی اس کو ظالم و جابر اور دہشت گرد کہہ رہا ہے، وہ تو نجات دہندہ اور جمہوریت کا رکھوالا ہے، بھلا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے پہلے برطانیہ سپر پاور تھا تو اس کا بھی یہی حال تھا، ساری دنیا پر جبراً قبضہ کیا، ان کے خزانوں کو لوٹ کر انہیں کنگال بنایا، خود امیر سے امیر تر ہوا اور جمہوریت کے رکھوالے اور نجات دہندہ ہونے نیز انسانی اقدار کو ترقی کی چوٹی تک پہنچانے والے کا خطاب الگ سے حاصل کیا۔

تمہید ذرا طویل ہو گئی لیکن عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مغربی اقوام کے دوغلے پن کو ہم پیش نظر رکھیں تو مسئلہ فلسطین پر ان کے فریب اور مکاریوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں صدیوں سے مسلمان اکثریت میں رہے، عیسائی اور یہودی محدود تعداد میں رہے پھر یہ خطہ مغربی اقوام کے قبضہ میں آ گیا، دوسری طرف جرمنی میں ہٹلر نے مبینہ طور پر یہودیوں کا قتل عام کیا اور استعمار نے فلسطین کی اکثریت کو درکنار کر کے وہاں یہودیوں کا ایک ملک بنانے کا فیصلہ کر لیا، اگر کہیں ملک بنانا ہی تھا تو یورپ یا امریکہ میں بنایا جاتا، فلسطین میں تو یہودیوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی، یورپ امریکہ میں تو ان کی بڑی تعداد تھی، لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ پروپیگنڈہ میں بڑی طاقت ہوتی ہے، پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ یہ کبھی یہود کا وطن رہا ہے، حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کی حکومت رہی ہے، لہٰذا یہاں یہود کا حق ہے اور یہ فراموش کر دیا گیا کہ یہود وہاں دوسری جگہ سے آئے تو موجودہ باشندوں کے آباء واجداد پہلے سے آباد تھے، یہی بعد میں مسلمان ہو گئے اور وہاں کے ابتداء سے باشندے ہیں۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہودیوں کو وہاں سے کئی بار دیس نکالا دیا گیا اور یہ دیس نکالا کبھی بھی مسلمانوں کے ذریعہ نہیں ہوا، یہ کام دوسروں نے کیا، جب اسرائیل بنا تو یہودی وہاں برائے نام تھے، بہرحال طاقت کے زور پر یہودیوں کو اسرائیل کے نام سے ایک چھوٹا خطہ دیا گیا، مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا، پھر پڑوسی عرب ممالک سے اسرائیل کی نورا کشتی ہوئی جس کے نتیجہ میں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ جس سے تمام مسلمانوں کی عقیدتیں

وابستہ ہیں، ان کے قبضہ میں آ گئے، فلسطینیوں کے پاس ایک غزہ پٹی ہے، دوسرے مغربی کنارہ، یعنی پوری زمین اسرائیل نے ہڑپ لی ہے، صرف معمولی زمین پر فلسطینی تنگی کے ساتھ رہنے پر مجبور کردیے گئے، ان کا سب کچھ چھین لیا گیا، اپنے ہی علاقہ میں خانہ بدوشی کی زندگی گذارنے پر مجبور کردیا گیا اور اس علاقہ میں بھی انہیں پوری آزادی نہیں، پوری طرح اسرائیل کے رحم وکرم پر ہیں، ایسے حالات میں اگر وہ تلملاتے ہیں تو کیا بے جا تلملاتے ہیں؟ جو کچھ ہوسکتا ہے کرتے ہیں تو کیا وہ بے جا کرتے ہیں؟ فرض کیجیے کہ ایک شخص کی دس ایکڑ زمین ہو، کوئی غاصب اس پر قبضہ کرلے، وہاں کچھ کسانوں کو لاکر آباد کردے، مالکوں کو زمین کے کنارے رہنے کی اجازت دے، دوسری جگہ سے آکر آباد ہونے والے انہی مالکوں سے زمین کا کام لیں اور صرف معمولی پیداوار زندہ رہنے کے لیے دیں، کبھی اس کو بھی بند کردینے کی دھمکی دیں تو کیا مالکوں کا خون نہیں کھولے گا؟ اور کیا اگر وہ غاصب پر حملہ کرکے اپنی زمین چھڑانا چاہیں تو یہ دہشت گردی کہلائے گی؟ ان کے حملہ کی وجہ سے اگر باہر سے آکر آباد ہونے والوں کو کچھ نقصان ہوجائے تو کیا اس کو مالکوں کی بے رحمی کہا جائے گا؟

اسی لیے فلسطینیوں کے موجودہ حملہ کو اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے اچانک حملہ نہیں مانا۔ اسرائیل اور اس کے حامیوں نے اس پر بڑا ہنگامہ کیا، لیکن وہ بنیادی طور پر اپنی رائے سے نہیں ہٹا۔

اب طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسرائیل حملے پر حملے کررہا ہے، اس کے حملوں سے نو ہزار سے زائد افراد شہید ہوچکے ہیں، جن میں چالیس فیصد معصوم بچے ہیں، اس پر پوری دنیا عرب ممالک سمیت خاموش ہے اور فلسطینیوں کے حملے سے جو نقصان ہوا تھا اس کا رونا رویا جارہا ہے۔ کیا فلسطینیوں کی جان کی کوئی قیمت نہیں؟ ان پر کھانا پانی سب بند ہے، دواؤں کا ذخیرہ ختم ہوچکا ہے، اسرائیل نے بہانے بنا کر اسپتالوں پر بھی جان لیوا حملے کیے ہیں، لیکن اس کو کوئی نہ دہشت گرد کہہ رہا ہے نہ ظالم، ہر طرف سناٹا ہے، دنیا اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، سعودی عرب جیسے ملک میں ان حالات میں جشن منایا گیا، کیا اس سے بڑھ کر کوئی بے غیرتی ہوسکتی ہے؟

ہمیں ان حالات میں اپنی دعاؤں میں اپنے ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے جنہوں نے اپنی جرأت وہمت سے اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کے دعوے کو خاک میں ملا دیا اور ان کے غبارے کی ہوا نکال دی اور مسئلہ کی پوری نوعیت سمجھنی چاہیے تاکہ کم سے کم یہ سمجھ سکیں کہ ظالم اور دہشت گرد کون ہے اور مظلوم کون ہے اور ظالم کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے بھائیوں کی مدد کرے اور ظالموں پر اپنی غیبی لشکر مقرر کرکے ان کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ آمین!

عالم عربی کی افسوس ناک صورت حال

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

”اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا بھی چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا مقروض ہے اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کا استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کی یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھاسکے۔ عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت ومالیات کی تنظیم، درآمد برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری خیر خواہی سے انجام دیں۔“

(عالم عربی اہل مغرب کی آماج گاہ کیوں:۹)

یہودی قوم اور ارض فلسطین پر ان کا حق

توریت وقرآن کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخداندوی

حرمین شریفین کے بعد جس سرزمین کو سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے بڑھ کر مقدس ہونے کا شرف حاصل ہے وہ بلا شبہ فلسطین کی سرزمین ہے، اسی کے شہر المقدس میں مسلمانوں کا قبلہ اولیٰ یعنی مسجد اقصی واقع ہے، اللہ نے اس پورے خطہ کو جمال ظاہری وباطنی سے آراستہ رکھا ہے۔

نیل وفرات کے درمیان واقع یہ جنت نظیر خطہ ہمیشہ کے لیے "الأرض المقدسة" کہلایا، یہیں اسماعیل واسحاق پیدا ہوئے، یہیں یعقوبؑ اور آل یعقوب پروآن چڑھے۔ اسی چمن میں یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے آنکھ کھولی۔ یہیں داؤد وسلیمان علیہما السلام کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ یہاں کی فضائیں اَنفاس رسالت سے مہکتی ہیں۔ یہاں کے ذرات انوار نبوت سے دمکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم جہاں پڑے وہ پورا خطہ انوار الٰہی سے جگمگا اٹھا۔ چاہے حجاز ہو یا شام ہو، یا پھر مصر ہو۔

اسی زمین کے ایک حصہ پر یہود زبردستی قابض ہیں اور نیل سے لے کر فرات تک کی پوری زمین کو اپنے لیے میراث کی زمین قرار دیتے ہیں۔

آیئے کتاب اللہ کی روشنی میں اور موجودہ توریت کے حوالہ سے ان کے دعوے کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے ہم موجودہ توریت کے حوالہ سے بات کریں گے پھر قرآن سے دلائل فراہم کریں گے۔

یہود ارض مقدس کو دو بنیادوں پر اپنی میراث کی سرزمین کہتے ہیں؛ ایک حضرت ابراہیمؑ سے موروثی تعلق کی بنا پر، دوسرے حضرت موسیٰ کی بشارتوں کی وجہ سے جو توریت میں جا بجا مذکور ہیں۔

جہاں تک حضرت ابراہیمؑ سے موروثی تعلق کا معاملہ ہے تو موجودہ یہودیوں کا دامن ان شہادتوں سے خالی ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو یقینی طور پر آل ابراہیم یا آل یعقوب ثابت کریں، بفرض محال اسے تسلیم بھی کیا جائے تو موجودہ توریت یہ بتاتی ہے کہ یہ وعدہ غیر شروط نہ تھا بلکہ بعض شرائط کو پورا کرنے کی صورت میں تھا۔

جہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ملنے والی بشارتوں کا معاملہ ہے تو بلا شبہ موجودہ توریت میں متعدد جگہوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ارض مقدسہ کو میراث کی زمین قرار دئے جانے کا ذکر ہے، ایک جگہ رقم ہے: ''دیکھو! میں نے یہ ملک تمہیں دے دیا ہے، لہٰذا اس میں داخل ہو جاؤ اور اس ملک پر اپنا تسلط جما لو جسے تمہارے باپ دادا ابراہیم، اسحاق ویعقوب علیہم السلام کو اور ان کے بعد ان کی نسل کو دینے کی خداوند نے قسم کھائی ہے۔'' (استثناء-۱:۸)

لیکن خود توریت کی رو سے یہ وعدہ غیر مشروط نہ تھا بلکہ اطاعت وفرمانبرداری کی شرط پر تھا، لہٰذا جب حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو تاکید کی کہ جہاد کے ذریعہ اس زمین کو حاصل کر لو تب پوری قوم نے بہانے بنائے، حضرت موسیٰ کے حکم کو ٹھکرایا اور اللہ کے فرمان کا مذاق اڑایا، اس پر اللہ کی طرف سے ان پر یوں پھٹکار برسی، توریت کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''مجھے اپنی حیات کی قسم! جب تک خداوند کے جلال سے ساری زمین معمور ہوتی رہے گی، جس کسی نے میرا جلال دیکھا اور ان معجزوں کو بھی دیکھا جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں کیے لیکن میرا حکم نہ مانا اور دس بار مجھے آزمایا، ان میں سے ایک شخص بھی اس ملک کو ہرگز نہ دیکھ پائے گا جس کو دینے کا وعدہ میں نے قسم کھا کر ان کے باپ دادا سے کیا تھا۔''

توریت کے بعض مقامات پر کھلم کھلا اس کا اعلان ہے کہ اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو اگر توڑا جائے گا تو پھر اس سرزمین پر ان کا کوئی حق نہیں ہوگا، وہ وہاں سے بھگا دیے جائیں گے۔ جہاں تک

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ (اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، الٹے پاؤں نہ آنا ورنہ تم ناکام ونامراد رہو گے)

اس آیت میں بلاشبہ "كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ" کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے لیکن یہ لکھنا ایمان وطاعت کی شرط پر تھا، اس لیے کہ آیت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے: "وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ" یعنی (پیٹھ پھیر کر واپس نہ آنا ورنہ ناکام ونامراد رہو گے) اسی طرح اس رکوع کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا اور اللہ رب العزت کے فیصلہ کا بھی تذکرہ ہے۔ قوم کی نافرمانی، بزدلی اور نکمے پن کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خود اپنی قوم کو فاسق قرار دیتے ہیں اور یوں بددعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (پروردگار! میں تو بس اپنے آپ پر اور اپنے بھائی پر اختیار رکھتا ہوں، اس لیے تو میرے اور اس نافرمان قوم کے مابین جدائی پیدا فرما)

اس پر اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہوتا ہے:

﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ﴾ (یہ زمین ان پر حرام ہے)

﴿أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ (چالیس سال تک یہ لوگ اسی وادی میں مارے مارے پھریں گے)

﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾

(تو تم ان فاسقوں پر بالکل افسوس نہ کرو۔)

اس مبارک آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ فاسق وفاجر لوگوں کے لیے ارض مقدسہ کے وعدہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ ایسے لوگ اس کے برعکس عذاب کے مستحق ہیں، قرآن کریم کے لحاظ سے یہود کا فسق اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک وہ سچے ایمان والے بن نہ جائیں، مزید قرآن کریم کی شہادت یہ بھی ہے کہ یہود میں بہت ہی کم ایسے ہوں گے جو ایمان لائیں گے، جب یہ بات ہے تو یہود کا من حیث القوم اس زمین پر کوئی حق نہیں بنتا، نہ موجودہ توریت کے لحاظ سے اور نہ قرآن کریم کی روشنی میں۔

قرآن نے ان کے فسق سے نکلنے کے لیے ایک ہی شرط بیان کی ہے، وہ ہے حضرت محمد ﷺ پر سچا ایمان، ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (اگر اہل کتاب ایمان لائیں تو اسی میں ان کے لیے خیر ہے، کچھ تو ان میں ایمان والے ہیں (یعنی ایمان لا چکے ہیں یا لائیں گے) مگر اکثر ان میں نافرمان ہیں)

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:

﴿لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(اللہ نے ان کے کفر کے پاداش میں ان پر لعنت کی ہے، لہٰذا وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر اِکا دُکا)

خود توریت میں بھی آنحضرت ﷺ کی بات ماننے کا یعنی آپ پر ایمان لانے کا ان کو حکم دیا گیا تھا، آج کی تحریف شدہ توریت میں قوی اشارات کے ساتھ یہ حکم محفوظ ہے پھر بھی ان کا دین اسلام میں داخل نہ ہونا خود توریت کے لحاظ سے ان کو ارض مقدسہ سے محروم کرتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہود عالمی دعوت و پیغام نہیں رکھتے ہیں، ان کا موجودہ دین خالص نسلی ہے، اسی کے تناظر میں وہ اقوام عالم کو دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف جس زمین پر ان کا ناجائز قبضہ ہے اللہ نے اس کی برکتیں سارے جہانوں کے لیے رکھی ہیں، اس زمین کو اللہ تعالیٰ ﴿الْأَرْضَ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ کہتا ہے، یعنی وہ زمین جس میں ہم نے سارے جہانوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں، اس لیے خالص عقلی طور پر بھی سوچا جائے تو بھی وہ مبارک زمین اہل اسلام کی قرار پاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ زمین عالمی ہے، سارے عالم کے لیے ہے۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ارض فلسطین تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور مذہبی لحاظ سے ہمیشہ اہمیت کی حامل رہی ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ وہ جگہ ہے جس کے اطراف کو اللہ رب العزت نے بابرکت بنایا ہے۔ حقیقت میں اس کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زمین یقیناً اللہ کی نشانیوں میں سے ایک کھلی نشانی ہے۔ یہی وہ زمین ہے جسے رہتی دنیا تک قبلہ اول ہونے کا شرف حاصل ہے، یہی وہ زمین ہے جہاں اللہ کے بیشتر انبیاء مبعوث ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کے اسراء ومعراج کے سفر کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ اس کے علاوہ اگر یہودیوں کی تاریخ دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ ارض مقدس ہے جس کی انہوں نے پہلے دن سے بے حرمتی کی اور اسی سرزمین پر انہوں نے بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔ فلسطین کی تاریخ میں اللہ رب العزت نے یہود کو ننانوے سال کا عرصہ حکومت کے لیے عطا فرمایا، لیکن ان کے پے در پے سنگین جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے زمام حکومت چھین لی، انہیں اس مقدس سرزمین کی تولیت سے محروم کر دیا اور قیامت تک کے لیے انہیں لعنت کا طوق پہنا دیا۔

ارض فلسطین میں اسرائیل آج جو کچھ بھی خونچکاں داستان رقم کر رہا ہے، یہ اس کے لیے ذرا بھی حیرت کا باعث نہیں ہے، کیونکہ یہی وہ ذہنیت تھی جس نے اسی سرزمین میں انبیاء کو ستایا اور انہیں قتل کیا تھا اور آج بھی وہی ذہنیت لبوں پر مساوات کا درس دیتی ہوئی، قانون وانصاف کی دہائی لگاتی ہوئی' انسانیت کے تمام حدود آسانی سے پار کر رہی ہے اور معصوموں اور نہتے فلسطینیوں کو بے دریغ قتل کر رہی ہے۔

اللہ ارض فلسطین کے مسلمانوں کو ہمت وحوصلہ دے جنہوں نے مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لیے بے شمار جانیں قربان کر دیں اور کر رہے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ اب وہ ہمہ وقت جام شہادت نوش کرنے کے لیے مستعد رہتے ہیں، انہیں اپنے مستقبل اور روزی روٹی کی کوئی فکر نہیں بلکہ ان کا پہلا اور آخری مطمح نظر بس یہ ہے کہ وہ اسرائیل جیسی ناجائز اولاد کو اپنی مقدس سرزمین سے نکال باہر کریں۔ اس کی خاطر نہ جانے کتنی ماؤں کی گودیں ویران ہوگئیں اور نہ جانے کتنے بچے یتیم ہوگئے۔ مگر تمام تر ہلاکت وبربادی کے باوجود الحمدللہ اہل فلسطین کے پایہ استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ آئی ہے بلکہ دیکھا جائے تو اسرائیلی اور یورپی فوجوں کی میزائلیں، اسلحے اور توپیں ان کے عزم وحوصلہ کے آگے بے حیثیت ثابت ہو چکے ہیں۔ اہل فلسطین کا یہ ایمانی جوش ہی ہے جو تمام عالمی طاقتوں کے خونی پنجے کے درمیان تن تنہا ڈٹا ہے اور مردانہ وار مقابلہ کر رہا ہے بلکہ اسرائیل کے ڈر کا تو عالم یہ ہے کہ وہ بغیر کسی سیاسی پشت پناہی کے اکیلا میدان جنگ میں کودنے کی بھی کبھی ہمت نہیں رکھتا، حالانکہ نہتے فلسطینیوں کے پاس اس کے بالمقابل نہ تیر وتلوار ہے اور نہ توپ وتفنگ!

اللہ کی ذات سے یہی امید ہے کہ راہِ حق میں بہایا گیا اہل فلسطین کا یہ خون رنگ لائے گا اور تمام تر مادی وسائل پر اہل ایمان کی طاقت بھاری پڑے گی۔ مگر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہیں اللہ نے یہ موقع دیا تھا کہ وہ مظلوموں کی مدد کر سکیں اور طاقت دینے کے بعد یہ حکم دیا تھا کہ وہ ظالم سے قتال کریں، لیکن حیف ہے ایسی بزدل' سنگ دل اور مصلحت پسند قیادت پر جو محض رقص وسرود کی محفلوں میں مگن ہے اور اسلام کا نام لینے کے بعد بھی اس کے کان رقاصاؤں کی تھرک سننے کی تو تاب رکھتے ہیں مگر بے کس وبے بس فلسطینیوں کی آہ وفغاں پر ذرا بھی ان کی رگ حمیت نہیں بھڑکتی۔ فإلى الله المشتكى!

اسرائیل نامنظور کیوں؟

محمد نفیس خاں ندوی

اس وقت عالم اسلام اپنے طول وعرض میں جن سیاسی مسائل سے دوچار ہے، ان میں سرفہرست ''ارض فلسطین'' کا مسئلہ ہے جو انبیاء واولیاء کا معبد ومسکن ہونے کی وجہ سے نہایت بابرکت سمجھی جاتی ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

"Too small geography but too big a history."

یعنی جغرافیائی اعتبار سے تو مختصر ترین لیکن تاریخی اعتبار سے طویل ترین۔

فلسطین، بحر متوسط کے مشرق میں واقع ہے جہاں مسلمانوں کا قابل عقیدت واحترام بیت المقدس واقع ہے، جو ماضی میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا مگر پہلی جنگ عظیم کے بعد سے یہاں کے زیادہ تر علاقوں پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے میں برطانیہ کا اہم رول رہا ہے، حکومت برطانیہ نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم ''جیوش ایجنسی'' کو کھلی چھوٹ دی تھی کہ دوسرے ممالک سے یہودیوں کو لاکر یہاں بسائیں اور جب نازی جرمنی اور مشرقی یورپ میں یہودیوں کو ان کے کرتوت کی سزا ملنے لگی تو فلسطین ہی ان کی پناہ گاہ بنا، جو رفتہ رفتہ ایک ملک کی شکل اختیار کر گیا۔

نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی قرارداد کے ذریعہ فلسطین کا 55% حصہ یہودیوں کو دے دیا گیا اور پھر 14 مئی 1948ء کو برطانیہ اور امریکہ کی ساز باز سے تل ابیب کے مقام پر ''یہودیوں کے قدرتی اور تاریخی حق'' کے طور پر مملکت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد فوج کشی کے ذریعہ اسرائیل کے حدود 78% تک بڑھتے چلے گئے۔ 1967ء میں اقوام متحدہ نے دو قرار دادوں کے ذریعہ اسرائیل کو سابقہ حدود میں جانے کا حکم دیا مگر اس پر کوئی عمل نہ ہوا بلکہ نہتے فلسطینیوں کو ہر طرح سے پریشان کرنے کا سلسلہ چل پڑا۔ ان کے علاقوں میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کر دی گئیں، راستے مسدود کر دیے جاتے ہیں، کرفیو لگا کر گھر گھر کی تلاشی لی جاتی ہے، خواتین کی عصمت تار تار کی جاتی ہے، انھیں بے گھر کر کے کیمپوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، پھر ان کیمپوں کو بھی ان کے قبرستان میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ ''جنین'' نامی کیمپ اس کی ایک واضح مثال ہے۔

یہودیوں نے چونکہ فلسطین پر جبراً قبضہ کیا تھا اور وہاں کے باشندوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کریں، جس کے بعد جنگوں کا ہونا لازمی تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک عالمی سطح پر بھی مسلمانوں نے اسرائیل کو باقاعدہ ملک تسلیم نہیں کیا۔

اسرائیل کے وجود کو منوانے کے لیے گذشتہ سات دہائیوں سے یہی دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ فلسطین یہودیوں کا آبائی وطن ہے، 1948ء سے اب تک اسرائیل کے سنگین مظالم کے پیچھے یہی پس منظر رہا ہے کہ عربوں نے یہودیوں کو ان کی آبائی سرزمین سے بے دخل کر دیا تھا، لیکن یہودیوں کے نزدیک آبائیت کا یہ نظریہ اس بات کی قطعی دلیل نہیں کہ عربوں کا اس تاریخی سرزمین سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب بنی اسرائیل کا وجود ہی نہیں تھا تب یہاں کون سی قوم آباد تھی؟ آثار قدیمہ کے انکشافات اور تاریخی دستاویز کی روشنی میں فلسطین کو کنعانیوں اور یبوسیوں نے آباد کیا تھا جو کہ خالص عرب تھے۔

1450 ق م میں حضرت یوشع بن نونؑ کی قیادت میں یہودی فلسطین کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے اور پھر تقریباً چار سو سال تک وہاں آباد مختلف نسلی گروہوں سے لڑنے اور انھیں پسپا کرنے میں مصروف رہے، جن اقوام کو انھوں نے مغلوب کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی وہ عرب ہی تھے۔

فلسطین کا علاقہ یونان اور پھر روم کی مملکت میں شامل ایک پُرامن علاقہ تھا، لیکن جب یہودی یہاں آباد ہوئے تو انھوں نے حکومتوں کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں متعدد بار یہ سرزمین تہس نہس ہوئی اور یہاں کا امن وسکون غارت ہوا، بالآخر یہودی اپنے کیفر کردار کو پہنچے، وہ قتل کیے گئے، غلام بنائے گئے اور فلسطین کی سرزمین سے باہر نکال دیے گئے لیکن دنیا میں کہیں بھی قابل قبول نہ ہونے کی وجہ سے ہر بار چوری چھپے یہیں آکر بس جاتے اور اپنی جمعیت قائم کر لیتے۔ آخرش 66ء میں یہودیوں نے رومی

حکومت کے خلاف بغاوت کی جس کو کچلنے کے لیے رومی جنرل ٹائٹس (Titus) نے حملہ کیا، یہودیوں کا قتل عام کیا اور زندہ بچ جانے والوں کا فلسطین میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد یہودی پوری دنیا میں پھیل گئے، جہاں طاقت ملی وہاں ظلم کیا اور جہاں کمزور پڑے وہاں سازشیں رچیں۔

اس پوری تاریخ کی روشنی میں فلسطین ایک خالص عربی شہر ہے جس کو دوسری اقوام کے حملوں کا سامنا رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی ملکیت کا حق حملہ آوروں کو دے دیا جائے، اگر اُن تمام سالوں کو جمع کیا جائے جو یہودیوں نے حملے کرتے اور تباہی پھیلاتے ہوئے فلسطین میں گذارے تو اتنی مدت بھی نہیں بنے گی جتنی انگریزوں نے ہندوستان میں یا ہالینڈیوں نے انڈونیشیا میں گزاری اور اگر غربت کی حالت میں ایک طویل عرصہ کسی علاقہ میں گذارنے سے اس زمین پر ملکیت کا حق بنتا ہے تو یہودیوں کو چاہیے کہ وہ فلسطین کے بجائے جہاں انھوں نے صرف 200 سال گزارے مصر کی ملکیت کا مطالبہ کرنا چاہیے جہاں انھوں نے 430 سال گذارے اور اسی طرح مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اندلس کی سرزمین کا مطالبہ کریں جہاں انھوں نے 780 برس تک حکومت کی۔

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پہ کیوں نہیں حق اہلِ عرب کا

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اسرائیل دنیا کا واحد ملک ہے جس کی سرحدیں آج تک متعین نہیں ہوسکیں۔ بہت سے عرب ممالک اور فسلطینی عوام اسرائیل کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے، اقوام متحدہ نے فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جو سرحدیں کھینچی ہیں، اسرائیل ان سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا، اقوام متحدہ کی طے کردہ سرحدیں کچھ اور ہیں اور اسرائیل کے زیرِ قبضہ علاقوں کی سرحدیں کچھ اور! کسی اصول وقانون کی پرواہ کیے بغیر اسرائیلی فوج جس طرح پورے فلسطین میں دندناتے پھرتی ہے اس سے اسرائیل کی سرحد کا نقشہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیلی وصہیونی حکمرانوں کے عزائم پر مشتمل ''عظیم تر اسرائیل'' (Greater Israel) کا نقشہ سب سے الگ ہے۔ اس نقشہ میں درج ذیل علاقے شامل ہیں:

☆ فلسطین، لبنان، مغربی شام، جنوبی ترکی۔ ☆ اردن، سینا، شمالی ترکی۔ ☆ عراق اور سعودی عرب کے کچھ علاقے۔

گریٹر اسرائیل کے قیام کے لیے جو منصوبہ تیار کیا گیا اسے عرفِ عام میں ینین پلان (Yenon Plan) کہا جاتا ہے۔ اس منصوبہ کے تحت خاص کر مشرق وسطی کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل کرنا ہے تاکہ کوئی مضبوط طاقت اسرائیل سے مزاحم نہ ہوسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسرائیل کے پڑوسی ممالک کو نسلی، قومی و مذہبی بنیادوں پر خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل دیا گیا۔ چناچہ عراق کے اندر سے کرد علاقہ کی تشکیل اور پھر شیعہ سنی بنیادوں پر عراق کی تقسیم، شام کی خانہ جنگی وغیرہ سب اسرائیل کے توسیع پسندانہ عمل ہی کا حصہ ہیں اور ان ساری تباہیوں کی سنگینی اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد مزید سخت ہوتی جائے گی۔

اسرائیل کو تسلیم کرنے سے قبل فلسطین کے حقیقی وارث جنھوں نے اسلام قبول کرلیا ہے نیز دنیا بھر کے سارے مسلمانوں کو خاص کر ''بیت المقدس'' کے سلسلہ میں اپنے موقف پر نظر ثانی بھی کرنی ہوگی۔ اس کی دو ہی شکلیں ہیں؛ یا تو اسرائیل کو بیت المقدس سے دست برداری پر آمادہ کرلیا جائے جو کہ ناممکن ہے، یا خود یوٹرن لے کر بیت المقدس کو اسرائیلوں کے سپرد کردیا جائے اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اب تک کی ساری قربانیاں اور انسانی جان ومال کی ساری قربانیاں ناجائز اور بے مقصد تھیں۔ یہ فیصلہ کرنا نام نہاد حکمرانوں کے لیے تو شاید آسان ہو لیکن امت مسلمہ کے لیے ناممکن ہے۔

تاریخی شواہد اور انسانی قوانین کی روشنی میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں، اس بات کو عالمی طاقتیں بھی تسلیم کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ القدس کا اسرائیلی دارالحکومت تسلیم کرنے کی امریکی تجویز کو کلی طور پر مسترد کردیا گیا اور امریکہ کی دھمکیاں بھی کوئی اثر نہ دکھا سکیں۔

اسرائیلی جارحیت اور امریکی دباؤ کے سامنے مسلمانوں کو کسی سمجھوتے کے بجائے عملی اقدام کی ضرورت ہے، لیکن شرط ہے کہ یہ اقدام ٹھوس اور حکمت عملی سے پر ہو اور جوش کے بجائے ہوش سے تیار کیے گئے منصوبے کے تحت ہو، کیونکہ فلسطین کا مسئلہ اب محض فلسطینیوں یا عربوں کا نہیں رہا بلکہ یہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے!

ارض فلسطین کا حق دار کون؟

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

”بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ اگر یہودی ایک ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس زمین میں قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ان کی تاریخ ہے یعنی فلسطین کی زمین، جو انبیائے کرام کی زمین ہے اور بیشتر انبیائے کرام بنی اسرائیل ہی سے آئے ہیں اور یہودی بنی اسرائیل ہی کی اولاد ہیں۔ اگر یہ وہاں پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کیا رکاوٹ ہے اور کیوں اس کی مخالفت کی جاتی ہے؟ تو یاد رہے کہ یہ وہ پروپیگنڈہ ہے جو اسرائیل کی طرف سے پوری دنیا میں پھیلایا گیا ہے کہ ہم اس زمین کے وارث ہیں لہٰذا ہم اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم یہاں پر حکومت قائم کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں ارض فلسطین پر بنی اسرائیل کی حکومت صرف 99/سال قائم رہی ہے اور فلسطین کے اصل باشندے ”کنعانی“ ہیں، کنعان وہ قوم ہے جو جزیرۂ عرب سے منتقل ہوکر فلسطین میں آکر آباد ہوئی تھی، لہٰذا فلسطین کی ابتداء عربوں سے ہی ہوتی ہے، جو وہاں سے منتقل ہوکر فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور انہوں نے اس پر صدیوں حکومت کی۔ اس کے بعد حضرت سموئیل علیہ السلام کی سرکردگی میں فلسطین کو فتح کیا گیا اور اس وقت سے لے کر 99/سال تک بنی اسرائیل نے حکومت کی، اگرچہ وہ حکومت ٹوٹتی پھوٹتی رہی اور اس کے اندر مختلف دراڑیں پڑتی رہیں، جس میں خود ان کی بداعمالیاں بھی تھیں۔ اسی عرصہ میں انہوں نے اس سرزمین میں انبیائے کرام کو قتل کیا، جس کی صراحت قرآن کریم میں موجود ہے اور اب بھی ان کی تاریخ ”عہد نامہ قدیم“ میں موجود ہے کہ انہوں نے اس 99/سال کی تاریخ میں ہزاروں انبیائے کرام کا قتل کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہودیوں کی فلسطین کے اوپر جو آخری حکومت ختم ہوئی ہے اس کو 1800/ بیت چکے ہیں اور اس ایک ہزار آٹھ سو سال کے درمیان یہودی حکومت ایک لمحے کے لیے بھی وہاں پر دوبارہ قائم نہیں ہوئی۔

غور کا مقام ہے کہ اگر اٹھارہ سو سال کے بعد کوئی آدمی یہ کہے کہ میرے آباء واجداد ننانوے سال وہاں مقیم رہے تھے لہٰذا میں حق دار ہوں کہ یہاں پر حکومت کروں اور اس وقت کے باشندوں کو نکال باہر کروں؟ یہ فلسفہ اگر بالفرض ایک مرتبہ کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو سوچیں کہ موجودہ دنیا کا حال کیا ہوگا؟ پھر تو Red Indians کہیں گے کہ امریکہ کے اوپر تو ہماری صدیوں حکومت رہی ہے اور اس کو تو بہت زیادہ عرصہ بھی نہیں گذرا ہے، اب ہمارا حق ہے کہ ہم امریکہ کے باشندوں کو امریکہ سے نکال کر اپنی حکومت قائم کریں اور پھر ایک ملک کے اوپر موقوف نہیں بلکہ ساری دنیا کے ممالک اگر یہ اصول تسلیم کرلیں تو موجودہ دنیا ختم ہی ہوجائے گی۔

سوچنے کی بات ہے کہ دنیا کے اندر کیا کوئی عقل مند انسان یہودیوں کا یہ فلسفہ تسلیم کرسکتا ہے؟ لیکن یہ فلسفہ صرف اسرائیل کے حق میں تسلیم کیا گیا، جب کہ بنی اسرائیل یا یہودی دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے، کوئی انگلینڈ میں، کوئی فرانس میں، کوئی سوئزرلینڈ میں، کوئی روس میں اور اب وہ کہتے ہیں کہ یہ سب اکٹھے یہاں بسائے جائیں گے، اس کے لیے اگر یہاں کے باشندوں کا قتل عام کرنا پڑا تو قتل عام بھی کیا جائے گا۔ چنانچہ 1948ء کے اندر ریاست اسرائیل کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا، جس میں سب سے زیادہ حصہ برطانیہ اور اس کے ساتھ امریکہ کا تھا، جنہوں نے مل کر اس ناجائز بچہ کی پرورش کرنی شروع کی۔“

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 15 ✦ November 2023 ✦ Issue: 11

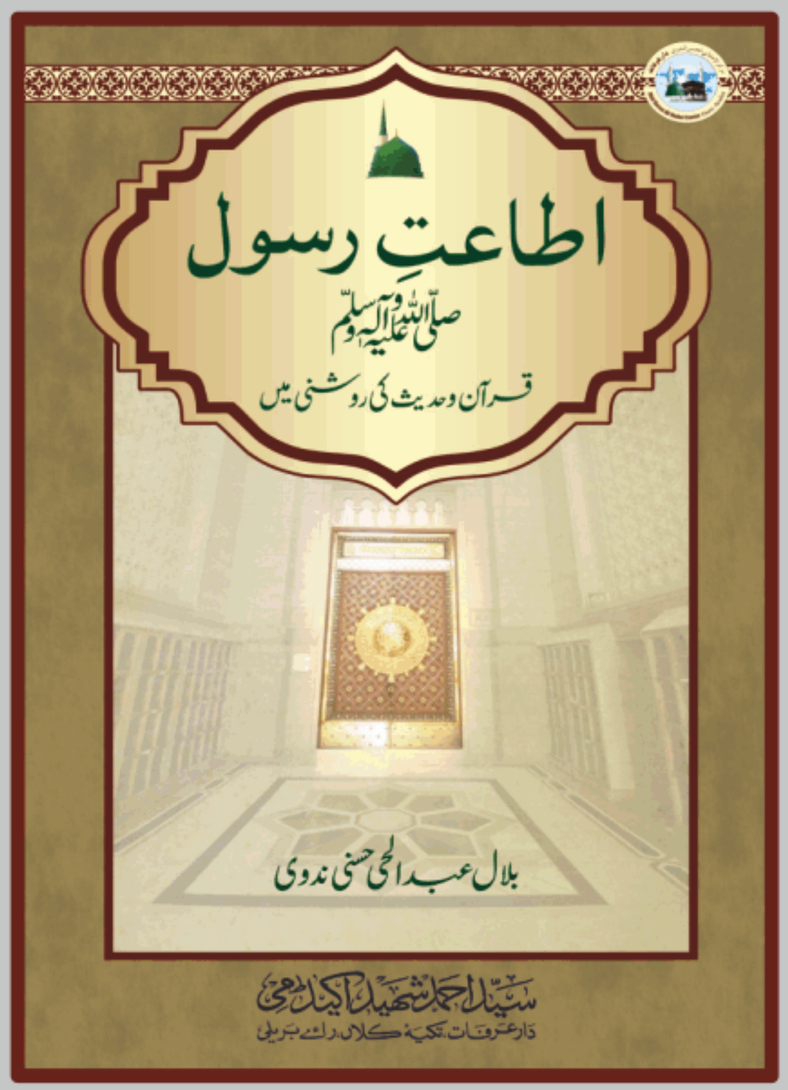

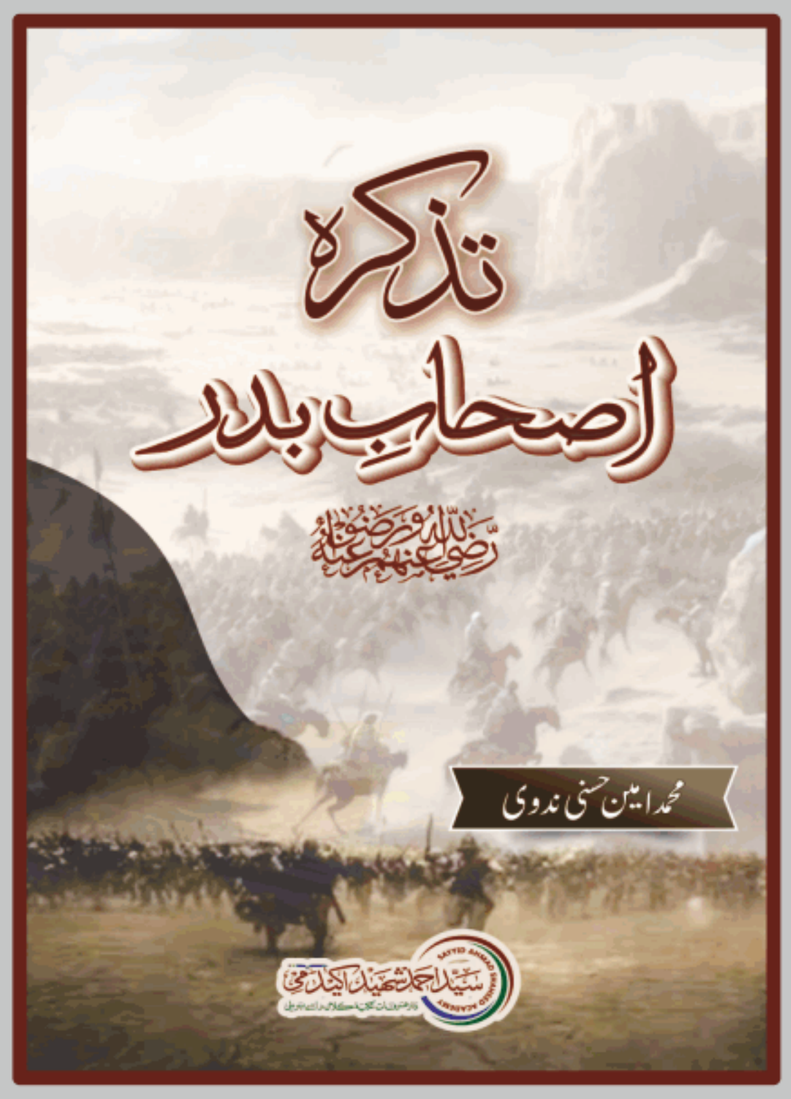

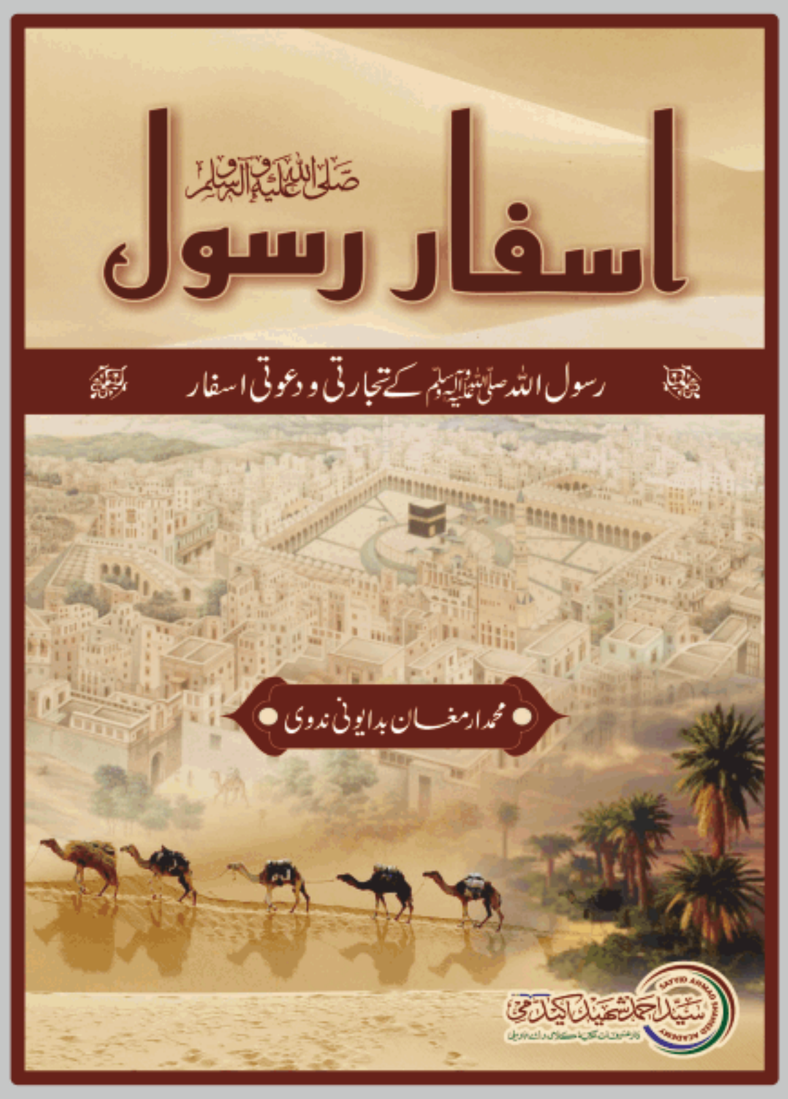

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: **9792646858**
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)